اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوویت یونین کو ختم ہوئے ایک سال کا عرصہ بیت چکا ہے مگر ستّر سالہ نظامِ سیاست و معیشت کے اثرات ختم ہونے میں ابھی وقت لگے گا۔ سوویت یونین کی جانشین "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" میں رشین فیڈریشن کو وہی برتری حاصل ہے جو اُسے ماضی میں حاصل رہی ہے۔ وسطی ایشیا کی نوآزاد ریاستوں نے یوں تو اپنی آزاد حیثیت میں اقوام کی برادری میں شمولیت اختیار کرلی ہے، وہ بین الاقوامی تنظیموں کی رُکن بن گئی ہیں اور اُن کے سفارتی تعلقات زائد از زائد ملکوں سے استوار ہوتے جا رہے ہیں تاہم ابھی اُن کی "آزاد" حیثیت میں کچھ بنیادی اجزاء کی کمی ہے۔ اولاً اُن کی معیشت رشین فیڈریشن اور سابق سوویت یونین کی دوسری ریاستوں سے اِس طرح باہم پیوست ہے کہ وہ کچھ عرصے تک اِس نظام کو اپنائے رہیں گی۔ ثانیاً افواج پر کنٹرول تاحال ماسکو یعنی رشین فیڈریشن کو حاصل ہے اور یہ افواج سب ہی نوآزاد ریاستوں میں تعینات ہیں۔

یہ امر اپنے طور پر ایک حقیقت ہے کہ نوآزاد مسلم ریاستوں کے موجودہ حکمرانوں نے سوویت یونین کے زوال میں کوئی قابلِ ذکر کردار ادا نہیں کیا اور انہوں نے اپنے ہاں کشادگی اور جمہوری اقدار سے وہ محبت پیدا نہیں ہونے دی جو سابق سوویت یونین کی کچھ دوسری ریاستوں میں وقت کے ساتھ پیدا ہو گئی تھی بلکہ اس کے برعکس اِن حکمرانوں کی بڑی اکثریت اُس وقت بھی کمیونزم اور کمیونسٹ پارٹی کی حامی رہی جب خود کمیونزم کو ماسکو میں جائے پناہ نہیں مل رہی تھی۔ تاہم جب اُنہیں آزادی کی نعمت مل گئی تو اُنہوں نے کمیونسٹ پارٹی کی جگہ نئی سیاسی جماعتیں بنالیں جن کی رکنیت اُن ہی لوگوں پر مشتمل ہے جو کل تک کمیونزم کے علمبردار تھے۔ اِن حکمرانوں نے اپنے طرزِ حکومت میں بھی ماضی کی روایات قائم رکھی ہیں اور جبر کی جگہ جمہوری اقدار اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ اِن نوآزاد مسلم ریاستوں میں فکری اور ذہنی اعتبار سے جو رویّے سامنے آئے ہیں، اُن میں سرفہرست اسلامی شناخت کی بازیافت ہے۔ ان ریاستوں کی جغرافیائی سرحدوں پر یا ذرا فاصلے پر رواں صدی کے ایسے تاریخی واقعات نے جنم لیا جو اُمتِ مسلمہ کو ایک ولولۂ تازہ دے گئے ہیں۔ ایران کے "مضبوط" اور "بڑے ہی باخبر" بادشاہ کو احیائے اسلام کی تڑپ نے ملک سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا اور عوامی غیض و غضب کے سامنے

بادشاہ کے سرپرست اُس کے ڈولتے ہوئے سنگھاسن کو بچانے میں ناکام رہے بلکہ خود ان سرپرستوں کو سُبکی اٹھانی پڑی۔ اِسی طرح افغانستان میں جذبۂ جہاد نے اپنے وقت کی ایک سُپر طاقت کو اُس کی پوری عسکری قوت اور سیاسی اثر و رسوخ کے ساتھ شکست دی۔ اِن کے علاوہ پوری دُنیائے اسلام میں ابھرتی ہوئی اسلامی تحریکوں نے سیکولر اور لبرل حکمرانوں سے اپنا وجود منوایا ہے۔ اس پس منظر میں وسطی ایشیا کی نوآزاد مسلم ریاستوں میں اسلامی احیاء کوئی اچنبھے کی بات نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آئینی ذرائع اختیار کرتے ہوئے اپنی پسند کے طرزِ زندگی کے اپنانے کی خواہش انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔

اسلامی شناخت کے ساتھ دوسرا ردّیہ یہ سامنے آیا ہے کہ مغربی جمہوری خطوط پر ریاستوں کی تنظیم ہو۔ سیکولر اور لبرل نقطہ ہائے نظر کو بنیادی اہمیت دی جائے اور مذہب کو انسان اور خدا کے ذاتی تعلق تک محدود کر دیا جائے۔ اسلامی اور سیکولر دونوں نقطہ ہائے نظر رکھنے والے اپنی فکر و نظر کے لئے اِس امر کے خواہش مند ہیں کہ اِن نوآزاد ریاستوں میں تنظیم اور نشر و اشاعت کی آزادی حاصل ہو تاکہ وہ اپنے اپنے نقطۂ نظر سے عوام کو آگاہ کر سکیں اور اپنے مقاصد کی جانب پیش رفت کر سکیں، مگر یہ بات سابق کمیونسٹ رہنماؤں کو پسند نہیں۔ وہ نہ تو اسلامی شناخت کو ان معنوں میں واضح ہونے کی اجازت دینے کے لیے تیار ہیں کہ یہ ایک متبادل نظریۂ حیات بنے اور نہ وہ جمہوری اقدار کو پنپنے دینا چاہتے ہیں کہ اُن کا اقتدار اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اسلامی شناخت کے حوالے سے "تحریکِ نہضت اسلامی" یوں تو سب ہی نوآزاد ریاستوں میں موجود ہے مگر اِسے قانوناً کام کرنے کی اجازت صرف تاجکستان میں حاصل رہی ہے۔

ماضی کے جبر کو قائم رکھنے میں اِن نوآزاد مسلم ریاستوں کو "آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ" کی اُن ریاستوں کی تائید حاصل ہے جن میں مجبور اور مظلوم مسلم اقلیتیں اپنی آزادی اور حقوق کی آواز اٹھا رہی ہیں۔

اسلامی شناخت اور جمہوری اقدار کے تحفّظ کے لیے تاجکستان میں جنگ لڑی جا رہی ہے۔ ۸ ستمبر ۱۹۹۲ء کو سابق کمیونسٹ رہنما رحمان نبی یوف کو اُس وقت صدارت سے استعفاء دینا پڑا جب عوامی احتجاج نے اُن کے لیے کوئی دوسرا راستہ نہ چھوڑا تھا تاہم جمہوریت دوست اور اسلام پسند حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے باوجود جناب رحمان نبی یوف نے اقتدار سے اپنی علیحدگی کو تسلیم نہ کیا اور خوجند (سابق لینن آباد) کے علاقے میں اپنے کمیونسٹ حامیوں کے ساتھ "جمہوریت دوست اور اسلام پسند حکومت" کے خلاف مسلّح تصادم میں مصروف رہے اور اکتوبر ۱۹۹۲ء میں اُن کے مسلّح حامیوں نے تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبے پر قبضے کی کوشش کی جو چھ سو افراد کے جانی نقصان پر منتج ہوئی، تاہم اُن

کی جدوجہد آخر الامر رحمان نبی یوف کے جانشین اور تاجکستان کے حکمران اکبر شاہ اسکندروف کی علیحدگی پر منتج ہوئی۔ خیال کیا جاتا تھا کہ پارلیمنٹ کے اجلاس اور نئی قیادت کے سامنے آنے پر معاملات پُر سکون ہو جائیں گے مگر یہ کشمکش تا حال جاری ہے، تاہم اتنا واضح ہے کہ اس کشمکش میں ماسکو اور تاجکستان کے مسلم ہمسایوں، سب کی تائید سابق کمیونسٹوں کو حاصل ہے اور کمیونسٹوں نے کامیابی کے بعد سنتے اور مظلوم عوام کو کچلنے میں سابق کمیونسٹ روایات کو ہی پیشِ نظر رکھا ہے۔ لاکھوں افراد جان اور عزت و آبرو کی حفاظت کے خیال سے ہجرت پر مجبور ہو گئے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ ان مہاجرین کی واپسی کے لیے مستقبل قریب میں کوئی منصوبہ تشکیل پا سکے گا۔ اور اگر یہ لوگ ہمسایہ افغانستان سے واپس تاجکستان گئے تو انہیں عزت و آبرو کی زندگی میسر آ سکے گی۔

ایک تصحیح

"وسطی ایشیا کے مسلمان" کے گزشتہ شمارے میں علامہ موسیٰ جار اللہ (م۱۹۴۹ء) کے بارے میں جو مضمون شامل کیا گیا تھا، اس کے حاشیہ نمبر ۱۵ میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" کا حوالہ غلط نقل ہو گیا تھا، اسے درست کر لیا جائے۔ "علامہ موسیٰ جار اللہ کا ایک مراسلہ" جلد ۲۶، عدد ۱ - ۲ بابت جنوری - فروری ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا تھا۔

علامہ موسیٰ جار اللہ کا یہ مراسلہ مولانا امین احسن اصلاحی کے جس تبصرے سے متعلق تھا، اس کے لیے دیکھیے: ترجمان القرآن (پٹھان کوٹ)، جلد ۲۴، عدد ۵ - ۶ بابت مئی - جون ۱۹۴۴ء، ص ۸۷ - ۸۸

سفیر اختر